(غلام گردش)

اصل قیمت

دل چاہتا ہے کہ ملکی سیاست پر لکھنا شروع کردوں۔مگر مجھ سے بہت سنجیدہ اور بہتر لوگ اس مشکل عنوان پر مسلسل لکھ رہے ہیں!حقیقت میں ملکی سیاست میں اتنی جدت موجود ہے کہ لکھنے کیلیے روز مواد مل جاتا ہے!میں اگر لکھوں بھی تو کیا لکھ سکتا ہوں!لامتناہی دھرنے، بڑے بڑے جلسے،ایک دوسرے کی ذاتی تضحیک اور حقیقت سے مسلسل روگردانی کے علاوہ اور ہے کیا؟داعش کی بھرتی کا عمل پورے پاکستان میں زوروشور سے جاری ہے۔ہمارے نوجوان مجاہدین ایک نئی جنگ کی تیاری کررہے ہیں۔ہر شہر اور روڈ پر داعش کے نعرے اور جھنڈے موجود ہیں۔عقیدے کی بنیاد پر یہ جنگ ہمارے ملک کو لپیٹ میں لے سکتی ہے مگر مجھے کسی جانب بھی کوئی فکر یا غور غوض نظر نہیں آرہا۔

داعش کے اکابرین کے مطابق جن چار ملکوں سے انکو مجاہدین دستیاب ہورہے ہیں،ان میں پاکستان شامل ہے۔ہمارے ملک میں ایسے دانشور اور عالم موجود ہیں جو موجودہ "نیشن سٹیٹ" کے تصور کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں۔وہ خلافت قائم کرنے کیلیے کوشاں ہیں یا انکی فکری مدد کرنے میں سرگرم ہیں۔ان میں سے کسی سے بھی پاکستان کے ہزاروں فوجی اور شہری شہدا کے متعلق پوچھا جائے تو وہ خاموش ہوجاتے ہیں۔ہمارے ملک میں انتہائی مہیب طرز کی جنگ جاری ہے۔شائد اب تک ہمارے ایک طبقہ کی تسلی نہیں ہوئی اور اب وہ عراق،شام کی طرز پر ایک اور جنگ کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔پاکستان کی فیصلہ کن طاقتوں نے ابھی تک اس نازک مسئلہ پر خاموشی اختیار کررکھی ہے۔ہم اپنے ملک کو کیا بنانا چاہتے ہیں!ہم نے بین الاقوامی ماحول میں اپنے ملک کا کیا تاثر رکھنا ہے؟کسی کو اس بارے میں کوئی فکر نہیں!اگر داعش جیسے مسائل کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا تو ہمارا مستقبل کیا ہوگا،کم ازکم میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا!

دہائیوں سے ہمارے ملک میں دہشت گردی کی وارداتیں تسلسل سے ہورہی ہیں۔ہر روز ٹی وی پر سنسنی خیز انداز سے دہشت گردی کی وارداتوں کا ذکر جاری رہتا ہے۔ہماری ذہنی حالت کا اندازہ لگایئے کہ اکثریت اسکو ایک معمول کا واقعہ سمجھ بیٹھی ہے۔لوگوں کیلیے شائد اب یہ کوئی خبر ہی نہیں رہی۔دو چار بندوں کی شہادت کی خبر پر تو اکثر لوگ غور ہی نہیں کرتے۔آج تک ہمارے پچاس ہزار کے لگ بھگ فوجی، پولیس اہلکار اور شہری دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہوچکے ہیں۔وہ لوگ جو جسمانی طور پر اپاہج ہوگئے ہیں،انکی تعداد کا ہمیں کوئی علم نہیں؟میں نے آج تک کسی حکومتی حلقے میں ان بدقسمت لوگوں کا ذکر تک نہیں سنا!شائد ہمارے لیے عام سا اپاہج شہری بالکل بے معنی ہے!اسکی کوئی وقعت نہیں!شائد اسکی کوئی آواز بھی نہیں!مگر صاحبان!یہ حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے کیونکہ یہ ہمارے اپنے شہری ہیں۔یہ حکومتی فرائض کا حصہ ہے کہ ان معذور لوگوں کو زندگی کے مشکل سفر میں لوگوں کی رفتار کے مطابق چلنے میں مدد کرے!مگر جس معاشرے میں زندہ لوگوں کی کوئی اہمیت نہیں، وہاں ان لوگوں کے متعلق سوچنے کا وقت کس کے پاس ہوگا!

ہمارے زخمی اور شہید افراد بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ایک تو وہ جنکا تعلق فوج سے ہے۔دوسرا طبقہ وہ جو پولیس یا لیولز کے اہلکار ہیں۔تیسرا طبقہ عام شہریوں پر مشتمل ہے۔فوج اور پولیس میں اپنے شہدا اور زخمیوں کی مدد کے متعلق ایک معقول

نظام موجود ہے۔مگر اصل مسئلہ عام شہریوں کا ہے۔انکے متعلق کاغذ کی حد تک ایک موثر پالیسی تو موجود ہے مگر زمینی حقائق کے مطابق انکے اہل خانہ کے مسائل اس حد تک دردناک ہوجاتے ہیں کہ ذکر کرتے ہوئے بھی افسوس ہوتا ہے۔میں یہ کالم صرف اور صرف ان بے سہارا، لاچار اور مجبور لوگوں کیلیے لکھ رہا ہوں جنکی خاموشی، بدقسمتی اور بے بسی میں انکے لیے کوئی بھی موثر آواز بلند نہیں کر رہا۔

آپکو جیسے ہی کسی سانحہ کی خبر سنائی دیتی ہے تو اسکے چند منٹ بعد انتہائی مصنوعی طرز کی ایک پٹی چلنی شروع ہوجاتی ہے۔یہ دراصل ایک اعلان ہوتا ہے کہ صوبائی حکومت کے وزیر اعلیٰ یا وفاقی حکومت نے مالی امداد کا اعلان کر دیا ہے۔کبھی چار یا پانچ لاکھ یا شائد کبھی اس سے کچھ زیادہ! مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ دہشت گردی کی واردات کے بعد کسی سطح پر بھی کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ پیسے ان بدقسمت لوگوں کو مل چکے ہیں یا وہ مہینوں تک سرکاری دفاتر کے چکر لگا لگا کر تھک چکے ہیں۔میں نے کسی بھی حادثہ کے دو چار دن کے بعد کوئی ایسی خبر نہیں سنی کہ کسی زخمی شہری یا شہید کے اہل خانہ کو باعزت طریقے سے اعلان کردہ امداد انکے گھر پر ادا ہو چکی ہے۔

جس جگہ خودکش حملہ ہوجائے، وہاں قیامت کا منظر برپا ہوجاتا ہے۔آپ اندازہ فرمایئے، یہ دھماکے ہمارے ملک کے طول وعرض میں باقاعدگی سے ہوتے ہیں بلکہ ہو رہے ہیں۔مگر ہمارے زخمیوں کو جدید ترین طریقے سے علاج کی سہولیات مہیا کرنے کا کوئی نظام موجود نہیں۔خدانخواستہ اگر آپ یورپ یا امریکہ میں کسی ٹریفک حادثہ کا شکار ہوجائیں تو ہر طرح کی طبی سہولت بذریعہ ایمبولینس جائے وقوعہ پر خود بخود پہنچ جاتی ہے۔اس میں بہترین درجہ کے ڈاکٹر، نرسیں اور دیگر سٹاف موجود ہوتا ہے۔مریض کو اٹھا کر سٹریچر پر لٹانے والے لوگ (Paramedics) بھی اپنے کام میں انتہائی مہارت رکھتے ہیں۔آپ نظام ملاحظہ کیجئے کہ زخمی کے ہسپتال پہنچنے سے پہلے ماہر ترین سرجن اور سٹاف آپریشن تھیٹر میں موجود ہوتے ہیں۔اگر جائے حادثہ پر ہیلی کاپٹر کی ضرورت ہو تو منٹوں میں وہ بھی دستیاب ہوجاتا ہے۔حکومت اپنا فرض ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہے اور یہ کوشش نظر بھی آتی ہے۔

ہمارے ملک میں دگرگوں حالات کا ملاحظہ فرمایئے کہ ہمارے پاس زخمی کو سٹریچر یا ٹرالی پر رکھنے کیلیے ماہر لوگ موجود نہیں ہیں۔مریض کو کس طرح اٹھانا ہے، کس طرح کروٹ دینی ہے، اکثر جگہ پر کسی قسم کے کوئی سند یافتہ لوگ موجود نہیں ہیں۔میں علاج کی بات نہیں کر رہا۔ہمارے اکثر زخمی صرف اسلیے قضائے الٰہی کا شکار جاتے ہیں کہ انکو جائے حادثہ سے ہسپتال منتقل کرنے کا طریقہ انتہائی ناقص ہے۔اکثر دیکھا ہے کہ چار آدمی مریض کو ہاتھ پاؤں سے پکڑ کر ایمبولینس کی جانب لیجا رہے ہوتے ہیں۔کون سا ایسا زخمی ہوگا کہ شروع کے دس پندرہ منٹ کے اس ناروا سلوک سے نبرد آزما ہو پائے۔ابھی تک میں نے ہسپتال کے آپریشن تھیٹر اور وہاں کے ادنیٰ حالات کا ذکر نہیں کیا۔

آج سے نو سال پہلے میں کوئٹہ میں تعینات تھا۔سرکاری گاڑی میں اپنے دوست کیساتھ مارکیٹ جا رہا تھا۔ایک مقام پر ہماری گاڑی کو چیکنگ کیلیے روکا گیا۔چیکنگ کرنے والے سپاہی نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ گاڑی آگے لے آئیں۔میرا دوست گاڑی چلا رہا تھا۔اس نے دس پندرہ فٹ گاڑی آگے جا کر گاڑی کھڑی کر دی۔یک دم ایک شدید دھماکہ ہوا۔ایک راکٹ ہماری گاڑی کے چند گز آگے بجلی کے کھمبے کے درمیان میں لگا۔وہ سپاہی جو ہاتھ کا اشارہ کر کے ہمیں آگے آنے کیلیے ہدایات کر رہا تھا، اس کھمبے کے نیچے

کھڑا ہوا تھا۔ بجلی کے پول پر ایک بہت بڑا ٹرانسفارمر نصب تھا۔ راکٹ دراصل اس ٹرانسفارمر میں لگا تھا۔ ٹرانسفارمر کے لاکھوں ٹکڑے ہوگئے۔ وہ بدقسمت سپاہی جو پول کے نیچے کھڑا تھا، اسکے تمام جسم کے اندر گرم لوہے کے ٹکڑے چلے گئے۔ وہ موقعہ پر دم توڑ گیا۔ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ اردگرد کے گھر اور دکانیں برے طریقے سے متاثر ہوئیں۔ ہماری گاڑی کے تمام شیشے ٹوٹ گئے مگر ہم معجزانہ طریقے سے بچ گئے۔ میرے سامنے وہاں تین اموات اور بارہ لوگ زخمی ہوئے۔ ایمبولینس تقریباً پندرہ بیس منٹوں کے بعد آئی۔ آپ اس ایمبولینس کے سٹاف کی کوتاہی ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے زخمیوں کو مردہ لوگوں کے نیچے لٹا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہسپتال پہنچتے پہنچتے وہ تمام زخمی لوگ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اگر وہاں تربیت یافتہ سٹاف ہوتا، جسکو علم ہوتا کہ دہشت گردی سے متاثر لوگوں کو ایمبولینس میں کیسے منتقل کرنا ہے، تو کچھ قیمتی جانیں بچائیں جاسکتیں تھیں۔ یہ نااہلی کا ایک ایسا مظاہرہ تھا جسے میں کم ازکم اپنی زندگی میں کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔

ہمارے سرکاری ہسپتالوں میں مخصوص تربیت یافتہ ڈاکٹروں کا فقدان ہے جو اس طرح کے زخمیوں کا آپریشن کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ انکو ڈاکٹری کی مخصوص زبان میں "Trauma Surgeon" کہا جاتا ہے۔ آپ چھوٹے شہروں کی بات چھوڑیے۔ لاہور جیسے شہر میں ٹراما سرجنز کی تعداد انتہائی محدود ہے۔ ہمارے اکثر سرکاری اور غیر سرکاری ہسپتال مہیب طرز کی ایمرجنسی کو تسلی بخش طریقے سے نبرد آزما ہونے کی اسطاعت نہیں رکھتے۔ دہشت گردی کی اس بلا سے لڑتے ہوئے دہائی سے اوپر کا عرصہ ہو چکا ہے مگر ہم اس ہنگامی صورتحال سے نپٹنے کیلیے کسی قسم کی کوئی موثر پالیسی نہیں بنا سکے۔ اگر کہیں کوئی پالیسی بنی بھی ہے تو وہ محض کاغذ پر موجود ہے۔ محکمہ صحت کے ہسپتال زخمی لوگوں کا معقول علاج کرنے سے قاصر ہیں۔ صرف ہر ایک دو گھنٹے کے بعد انتہائی بے حسی سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اتنے اشخاص زخموں کی تاب نہ لاکر جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ میں نے آج تک لوگوں کے فوری علاج معالجہ کے معیار کے متعلق ایک لفظ تک نہیں سنا۔ آپریشن تھیٹر میں جو کچھ ہوتا ہے، اسکے متعلق کوئی شخص کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ ہمارے ہاں طبی معیار اتنا پست ہے کہ کسی قسم کی کوئی بات کرنی مکمل عبث ہے۔

مگر اب میں اپنے اصل نکتہ کی طرف آتا ہوں۔ وہ شہری جو شہید ہوگئے، انکے لیے ایک خاص رقم کا اعلان کیا جاتا ہے۔ آج تک کسی سطح پر لواحقین کی مشکلات کا جائزہ نہیں لیا گیا جو انکو بے حس سرکاری عمال کے ہاتھوں اٹھانا پڑتی ہیں۔ آپ اس بیوہ اور بچوں کی بے کسی کا اندازہ لگائیے جو اس قیامت سے گزرتے ہیں۔ انہیں ایک ایسے واقعہ کی بھرپور سزا دیجاتی ہے جن میں انکا کوئی قصور نہیں۔ بلکہ دیکھا جائے تو اس پورے واقعہ سے انکا کوئی تعلق تک نہیں ہوتا۔

میں آپکو کلثوم بی بی کا واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اسکی عمر 50 برس کی ہے۔ اسکا خاوند اور اسکا بڑا بیٹا پشاور کے ایک بازار میں پھل کی ریڑھی لگاتے تھے۔ 2012 میں ان لوگوں کی ریڑھی کے نزدیک کوئی شخص سائیکل میں بم نصب کر گیا۔ بم پھٹنے سے کلثوم بی بی کا خاوند اور بیٹا دونوں موقعہ پر شہید ہوگئے۔ اس سانحہ میں بیس لوگ مارے گئے اور چالیس کے قریب زخمی ہوگئے۔ یہ واقعہ اس اَن پڑھ خاتون کیلیے قیامت جیسا المیہ تھا۔ اس غریب عورت اور اسکی دو لڑکیوں نے حیات آباد میں گھروں میں برتن مانجھنے کا کام شروع کر دیا۔ شام کو وہ اپنے گھر پر کپڑے سی کر کچھ پیسے کما لیتی تھی۔ انکے مسائل انکی محنت کے باوجود بڑھتے چلے گئے۔ حکومت کی طرف سے اعلان شدہ

امداد اسکو صرف اسلیے نہیں مل پائی کہ وہ مکمل اَن پڑھ تھی۔اسکو کوئی بتانے والا ہی نہیں تھا کہ یہ امداد کس دفتر سے حاصل کی جاسکتی ہے۔اسکا فارم کہاں سے ملے گا اور اسے کیسے پُر کیا جائیگا۔آپ اس غریب عورت کی بے بسی دیکھیے کہ سرکاری مدد ملنا تو دور کی بات، ہر دو چار دن کے بعد اسکے پاس مختلف سرکاری اداروں کے اہلکار آجاتے تھے۔وہ ان مظلوم عورتوں سے تفشیش شروع کرنے لگتے تھے کہ وہ بم اسکے خاوند کی ریڑھی کے نزدیک کس نے نصب کیا تھا؟ اسکے خاوند کو کون کون ملنے آتا تھا؟ کلثوم بی بی اتنی خوف زدہ ہوگئی کہ وہ پنڈی میں اپنی بہن کی طرف منتقل ہونے پر مجبور ہوگئی۔اب وہ گھروں میں نوکرانی کے طور پر کام کرتی ہے اور اسکی بچیاں اسکا ہاتھ بٹاتی ہیں۔

جواد احمد کا والد سندھ پولیس میں کانسٹیبل تھا۔وہ ایک خودکش حملے میں شہید ہوگیا۔یہ حادثہ سعید آباد ٹریننگ سکول کے قریب پیش آیا۔جواد کی عمر حادثہ کے وقت صرف 12 سال کی تھی۔حادثہ کی خبر سنکر اسکی والدہ کو دل کا دورہ پڑا اور وہ ہسپتال پہنچنے سے پہلے انتقال کرگئی۔قانون کے مطابق جواد کو سرکاری نوکری ملنی چاہیے تھی۔مگر وہ آج تک بے روزگار ہے۔پیسے نہ ہونے کی وجہ سے وہ اور اسکی دونوں بہنیں ادنیٰ درجے کے گھریلو کام کرنے پر مجبور ہیں۔جواد سائیکل کا مستری بن چکا ہے۔اسے کوئی مالی امداد نہیں ملی اور نہ ہی کوئی نوکری!

خودکش حملے روز ہوتے ہیں! اَن گنت قیمتی جانیں انکی نذر ہوجاتیں ہیں! مرنے کی خبر فوری طور پر نشر کردی جاتی ہے! مگر ہمیں اندازہ نہیں کہ جہان فانی سے کوچ کرنے پر حقیقی موت ان مظلوم بچوں اور بیواؤں کی ہوتی ہے جو مکمل بے سہارا اور بے کس رہ جاتے ہیں! زمانے کی ٹھوکریں انکا مقدر بن جاتیں ہیں! اپنے پیاروں کی موت کی بھرپور قیمت یہ بے گناہ اور مظلوم لوگ پوری بقیہ زندگی گزارتے رہتے ہیں! آج تک کسی نے بھی ان بے سہارا لوگوں کے مصائب ختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی! کسی نے انکا مقدر نہیں بدلا! پتہ نہیں، یہ زندہ کیسے رہتے ہیں! شائد اپنے پیاروں کی موت کی اصل قیمت یہ لوگ ادا کرتے ہیں!

راؤ منظر حیات

Dated:14-11-2014